برصغیر میں مسلم حکمرانوں کے تعلیمی اقدامات، تحقیقی وتاریخی جائزہ

Educational Initiatives of Muslim Rulers in the Subcontinent, Research and Historical Review

Dr. Ghulam Mustafa [1]
Irum Shahzadi [2]

Abstract:

This research article throws light on the historical landscape of educational initiatives undertaken by Muslim rulers in the Indian subcontinent. The study conducts a comprehensive review of primary historical sources, manuscripts and secondary literature to trace the evolution and impact of educational policies implemented by Muslim rulers from different dynasties. Focusing on periods ranging from the early medieval era to the pre-modern times, the research examines the diverse approaches and contributions made by rulers in fostering education, particularly in the realms of Islamic studies, sciences and literature. The article employs a multidisciplinary approach, combining historical analysis with insights from educational philosophy, to provide a nuanced understanding of the socio-cultural contexts that influenced the educational landscape during different periods. It explores the establishment of madrasas, educational endowments and centers of learning under the patronage of Muslim rulers, shedding light on their motivations, institutional structures and the broader impact on knowledge dissemination. Additionally, the study addresses the intersections between religious and secular education, as well as the role of educational institutions in shaping cultural identities within the diverse societies of the subcontinent. It critically evaluates the challenges faced by these educational initiatives and their lasting legacies in the contemporary educational fabric of the region. By synthesizing historical narratives and academic scholarship, this research contributes to a deeper comprehension of the rich tapestry of educational endeavors initiated by Muslim rulers in the subcontinent. It seeks to bridge historical gaps, stimulate further academic discourse and inform contemporary discussions on the intersection of religion, governance and education in South Asian history.

Keywords: *evolution of education, history of India, Muslim rulers, emerging trends*

[1]. Senior Subject Specialist, Quaid e Azam Academy of Educational Development, Chiniot

[2]. M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, University of Okara

قوموں کے عروج وزوال میں اگر کسی ایک مؤثر ترین تاریخ ساز عامل کی تلاش کی جائے تو یہ بات بلاخوف وتردید کہی جا سکتی ہے کہ اس میں سرفہرست تعلیم آتی ہے۔ تعلیم کا تعلق علم اور جاننے سے ہے جبکہ تربیت کا تعلق اس علم پر عمل کرنے سے ہے۔ تعلیم و تربیت انسان کی بہت اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اور دین اسلام ہی انسان کی بہترین انداز میں تعلیم و تربیت کرتا ہے لیکن افسوس کہ برصغیر پاک وہند ایک لمبے عرصہ تک اسلام کی دولت سے محروم رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ جب مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئے تو آپؓ نے دور دور کے علاقوں میں تمام اقوام عالم تک دین اسلام کو پہنچانے کی کامیاب سعی کی۔ پروفیسر سعید احمد رفیق اپنی کتاب ''مسلمانوں کا نظام تعلیم'' میں برصغیر پاک وہند میں اسلام کی ابتداء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"برصغیر پاک وہند اسلامی عالمگیر تحریک سے کافی عرصہ تک روشناس نہ ہو سکا۔ گو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ساحل پر تھا اور بہروچ کے مقام پر موجودہ بمبئی کے قریب حکیم بن ابی العاص نے ہند پر حملہ کیا اور اس کے بعد چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن ان جھڑپوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حقیقتاً پہلا حملہ جو اس برصغیر پر سیاسی طور سے اثر پذیر کہا جا سکتا ہے۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں محمد بن قاسم کا حملہ تھا۔ اس نے تین سال کے اندر اندر سندھ اور ملتان کو فتح کر کے برصغیر پاک وہند کے ایک حصہ میں مسلمانوں کی سلطنت قائم کی جو باوجود اتنی مختصر ہونے کے اس قدر مستحکم تھی کہ تین سو سال تک قائم رہی اور آخر محمود غزنوی نے اسے ختم کیا۔"[3]

سلطان محمود غزنوی علم سے محبت کرنے والے حکمران تھے۔ آپ ۶۷ ھ ۷ ء میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور ایک عظیم اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ جو مختلف مراحل اور خاندانوں سے گزرتی ہوئی ۷ ۱۸ء تک باقی رہی۔ سلطان محمود غزنوی ایک نیک دل اور عدل وانصاف کرنے والا بادشاہ تھا۔ آپ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔ آپ نے احیائے اسلام اور علم کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ محمد شہاب الدین غوری اور اس کے نائب قطب الدین ایبک نے بھی تعلیم کو عام کرنے کیلئے کوششیں کیں۔ الغرض قطب الدین ایبک تا بہادر شاہ ظفر تمام بادشاہوں نے برصغیر میں علم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے علاوہ عوام، امراء اور علماء بھی اپنی طرف سے اشاعت علم وہنر میں پورے طور پر کوشاں

---

3. سعید احمد رفیق، پروفیسر، مسلمانوں کا نظام تعلیم (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۵۲ء) ص ۱۵۔

Saeed Ahmad Rafique, *Musalmāno kā Nizām e Tāleem*, Karachi, Academy of Educational Research, 1952, p.15

تھے۔ان سب کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آج سے صدیوں بیشتر جب کہ یورپ میں تعلیم گرجا کے حلقہ اثر میں ہونے کی وجہ سے ایک مخصوص جماعت کے قبضہ میں تھی۔ برصغیر پاک وہند میں دیگر اسلامی ممالک کی طرح تعلیم عام اور آزاد تھی اور اس کے حاصل کرنے میں نہ کسی قسم کی پابندی تھی اور نہ مشکل۔[4]

حکومت کی تعلیمی ترجیحات:

تعلیمی نظام کو چلانے کیلئے حکومت صرف مالی امداد مہیا کرتی تھی۔ حکومت طلبہ اور اساتذہ کی مالی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ جبکہ اساتذہ تعلیمی تدریسی طریقے اور تعلیمی نصاب اپنی مرضی سے منتخب کرتی تھی۔ حکومت عوامی فلاح و بہبود اور تعلیمی ترقی کیلئے مکمل دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تھی۔ اس زمانے میں اساتذہ اور مدارس بالکل آزاد تھے اور حکومت مدارس کے تعلیمی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حکومت تعلیمی معاملات میں دلچسپی نہ رکھتی تھی ڈاکٹر کیولی کا کہنا ہے کہ اس زمانے میں محکمہ تعلیم نام کا کوئی محکمہ نہ تھا اور نہ ہی سکولوں کے انسپکٹر ہوتے تھے۔اور اس کی بناء پر یہ ثابت کرنا کہ اس زمانے میں حکومت کو تعلیم اور تعلیمی ترقی سے دلچسپی نہ تھی، واقعہ کے خلاف ہے۔[5] سلاطین دہلی اور مغلیہ دور میں نظام تعلیم کو چلانے کیلئے صدرالصدور کے نام سے ایک عہدہ مقرر تھا۔ جس کے ذمے مندرجہ ذیل کام تھے۔

ا۔ صدرالصدور کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ اساتذہ اور علماء کی تنخواہوں کی فہرست بادشاہ وقت کے سامنے پیش کرے تاکہ بروقت تنخواہوں کی ادائیگی ممکن ہو سکے۔

۲۔ قاضیوں اور مفتیوں کا تقرر کرنا بھی ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

۳۔ مختلف اخلاقی اور تعلیمی معاملات میں جج کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے تھے اور عوام کی تعلیمی اور اخلاقی برتری کو قائم رکھتے تھے۔

۴۔ غریب، یتیم، اور معذور لوگوں کی شاہی خزانے سے مدد کرنا۔

۵۔ وہ علماء وقت جو غریب اور ضرورت مند ہوتے ان کا بادشاہ وقت سے وظیفہ یا تنخواہ مقرر کروانا۔ تاکہ وہ تعلیم کے مقدس فریضے کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکیں۔

---

4. سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ۱۵۔

Saeed Ahmad Rafique, *Musalmāno kā Nizām e Tāleem*, p.15

5. ایضاً۔

ibid

اس طرح قابل علماء کرام کو قاضی اور مفتی کے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا جاتا تھا تاکہ قرآن وسنت کے مطابق فیصلے ہو سکیں۔انہیں علماء کرام کو مدارس میں اساتذہ بھرتی کیا جاتا تھا۔اوران اساتذہ اور قاضیوں کی تنخواہیں بادشاہ وقت ادا کرتا تھا۔ جبکہ مختلف مدارس کو قائم کرنے کیلئے حکومت کی طرف سے جاگیریں وقف کر دی جاتی تھی تاکہ طلباء کی تعلیم وتربیت کیلئے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جا سکیں۔مختلف شہروں کے قاضی اور مفتی انہی علماء میں سے مقرر کئے جاتے تھے اور مدرسوں میں اساتذہ بھی انہی عالموں میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔ان کی تنخواہیں باقاعدہ شاہی خزانے سے ادا ہوتی تھیں۔بعض اوقات ان مدارس کے لئے جاگیریں وقف کر دی جاتی تھی۔غرض جہاں تک مالی امداد کا تعلق ہے مسلمانوں کے عہد میں اساتذہ اور طلباء سب کو مالی امداد ملتی تھی۔مختلف بادشاہوں اور امیروں نے اس برصغیر میں سینکڑوں نہیں ہزاروں مدارس قائم کئے۔یہ مدارس ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تھے اور تعلیم عام کے زبردست مراکز تھے ان میں سے بہت سے مدارس کی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں آج تک موجود ہیں اور عہد رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہیں مثلاً دہلی میں ماہم آنکہ کا مدرسہ خیر المنازل، بیدار میں محمود گاؤں کا مشہور مدرسہ۔بعض قدیم مدارس موجودہ زمانے میں تعلیمی مرکز کے طور پر استعمال کیے جارہے ہیں۔مثلاً دہلی میں اجمیری دروازے کے باہر مدرسہ غازی الدین جو تقسیم ہند سے پہلے عربی کا کالج کہلاتا تھااور دارالحکومت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی درس گاہ تھی اوراب جس کا نام بدل کر پھر دہلی کالج کر دیا گیا ہے۔[6]

برصغیر میں انگریز کی آمد سے پہلے یہ اجمالی صورت حال جاننے کے بعد اب ہم مختلف اداروں کو ذرا تفصیل سے جانتے ہیں تاکہ صورت حال کی مکمل عکاسی ہو سکے۔پہلے ہم سلاطینِ دہلی کے دور میں ہونے والے تعلیمی اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں۔

محمود غزنوی(۱۰۳۰ء):

محمود غزنوی وہ پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے اگرچہ برصغیر پاک وہند پر حکومت نہیں کی لیکن جسے ہم صحیح معنوں میں پہلا بادشاہ کہہ سکتے ہیں جو ہماری تاریخ میں ایک مستقل اور نمایاں حیثیت کا حامل ہے اس کی سیاسی حیثیت سے انکار ہی نہیں لیکن میدان علم وادب میں بھی جو نام اس نے پیدا کیا وہ کمتر بادشاہوں کو نصیب ہوا۔محمود ایک زبردست فاتح قابل سپہ سلار اور سپاہیانہ مزاج رکھنے کے باوجود علم وعمل، فنون اور علم وادب کا بڑا شائق تھا خود عالم ہونے کے علاوہ علم دوست بھی تھا وہ شاعر، حافظ القران، احادیث سے واقف اور فقہ پر ایک مستند کتاب التفرید فی الفروع'' کا مصنف تھا۔اس

---

6. سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ۴۶۔

Saeed Ahmad Rafique, *Musalmāno kā Nizām e Tāleem*, p.46

کا دربار علماء، حکماء اور شعراء کا ملجاء وماوا تھا۔ اس کی قدر دانی اور جوہر شناسی نے ہر طرف سے اہلِ کمال کو لا کر غزنی میں جمع کر دیا تھا۔ اس کے دربار میں چار سو شعراء موجود تھے جن میں حکیم عنصری عصائر رازی، استاد رشیدی طوسی، منوچہر بلغی، عسجدی، فرخی اور دقیقی بہت مشہور ہیں۔ عنصری ملک الشعراء تھا فردوسی نے اپنی مشہور نظم شاہنامہ فردوسی کا کچھ حصہ اسی لیے لکھا تھا۔ ان شعراء کے علاوہ مشہور تاریخ دان البیرونی اور علامہ ہمدانی بھی محمود کے درباری تھے۔ محمود غزنوی کو عمارات بنوانے کا کافی شوق تھا۔ اس نے فتح قنوج سے کامیاب جانے کے بعد غزنی میں ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس یونیورسٹی (مدرسہ) کے قطب خانوں میں سلطنت کے کونہ کونہ سے ہر ایک علم و فن کی نایاب کتابیں لا لا کر جمع کیں تھیں۔ جب کوئی شہر فتح ہوتا تھا اس کے کتب خانوں کی بہترین کتابیں اس کے کتب خانوں میں منتقل کر دی جاتی تھیں۔ یونیورسٹی کے اخراجات طلباء کے وظائف اور اساتذہ وغیرہ کے تنخواہوں کے لئے ان کا مجموعی خرچ ایک لاکھ روپے سالانہ تھا۔[7]

سلطان محمود غزنوی کے بارے میں یہ سوچا جاتا رہا ہے کہ انہوں نے برصغیر پاک وہند میں علم وادب کی اشاعت اور ترقی میں زیادہ اہم کردار ادا نہیں کیا لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا بادشاہ جو علم وہنر سے گہری وابستگی اور محبت رکھتا ہو، ان کے ہاتھوں شمالی ہند عملی ذرائع اور وسائل سے بالکل محروم رہا ہو۔ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے نتیجے میں موجودہ پاکستان سلطنت غزنی میں شامل ہو گیا اور اس کا نام غزنی خورد رکھا گیا۔ غزنی دور میں ہی بہت سے اسلامی تہذیبی ادارے، مدارس اور خانقاہیں غزنی خورد علاقے میں قائم ہو گئی تھی بلکہ آخری غزنوی حکمران نے لاہور ہی کو دار السلطنت بنایا۔

شاہ حسین زنجانی (۱۰۴۰ء) اور شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش (۱۰۰۹ء-۱۰۳۷ء) نے لاہور میں رہتے ہوئے تصنیف و تالیف کا بہت سا کام کیا۔ کشف المحجوب آپ کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ محمود غزنوی کے بعد آپ کا بیٹا مسعود حکمران بنا۔ محمود غزنوی کی طرح آپ بھی علم سے محبت کرتے تھے۔ آپ عالموں کی بہت قدر کرتے تھے۔ اسی لیے بہت سے علماء نے آپ کے نام پر کتابیں لکھی ہیں۔ مشہور عالم اور حکیم عبدالرحمٰن نے ریاضی کی مشہور کتاب "قانون سعودی" آپ کے نام پر تصنیف کی۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے فقہ احناف پر مشہور کتاب 'فقہ سعودی' لکھی۔ مسعود نے اپنے زمانہ حکومت میں علم وادب کو ترقی دینے کیلئے مختلف شہروں میں مدارس قائم کیے تاکہ علم کی روشنی ہر شخص

7۔ سید الطاف حسین بریلوی، حیاتِ رحمت خان، حیدر آباد: نظامی پریس حیدر آباد، ۱۹۳۳ء، ص: ۲۷۴۔

Syed Altaf Hussain Brelvi, *Hayāt e Rahmat Khan*, Hyderabad, Nizāmī Press, 1933, p.274

تک پہنچ سکے۔ سلطان محمود غزنوی علمی وادبی سرپرستی محض علماء کی مالی امداد تک ہی محدود نہ تھیں۔ بلکہ اس نے اشاعت علم کے لئے کئی مدارس قائم کئے۔ مورخ ابن اثیر کی رائے تو یہ ہے کہ ممالک عجم میں باقاعدہ درسگاہوں کا سنگ بنیاد رکھنے میں اولیت کا سہرا سلطان موصوف کے سر ہے۔ کہ جس نے ۱۰۴۱ میں اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد عروس فلک تعمیر کروائی اور اس کے نزدیک ایک دانش گاہ تعمیر کی کہ جس کی مثال اس زمانہ میں کہیں نا ملتی تھی اس دارالعلوم کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں بڑی بڑی نادر کتابیں فراہم کی گئی تھی اس دانش کدہ کا رئیس اعلیٰ محمود غزنوی کے دربار کا ملک الشعراء عنصری تھا جو بہترین شاعر وباکمال نقاد ہونے کے علاوہ اپنے عہد کا نامور فلسفی اور ممتاز سائنسدان بھی تھا سلطان محمود کی دیکھا دیکھی امراء رئیس سلطنت نے غزنی کے اطراف وجوانب میں بے شمار مدرسے قائم کر دیئے۔[8]

۲۔ شہاب الدین محمد غوری:

شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۷۵ء میں ملتان کو فتح کیا اور ۱۱ ء میں اجمیر کو فتح کر کے اسے علم وتمدن کا گہوارہ بنا دیا جبکہ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں خواجہ معین الدین چشتی اشاعت اسلام میں مصروف تھے۔ اجمیر اس وقت ہندومت کا بڑا مرکز تھا۔ آپ نے اسلامی تعلیم کی اشاعت کیلئے اسلامی مدارس قائم کیے۔ سلطان محمود غوری نے اپنے ذہین غلاموں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ یہ تعلیم صرف حصول علم تک محدود نہ تھی بلکہ اعلیٰ فوجی تعلیم اور نظام حکومت چلانے کے قوانین بھی سکھائے جاتے تھے۔ ان مشہور غلاموں میں قطب الدین ایبک، ناصر الدین قباچہ اور بختیار خلجی جیسے حکمران شامل تھے جنہوں نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کو چلایا۔ اور علم وادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ علامہ ندویؒ پروفیسر این۔ این کی کتاب "عہد اسلامی میں علمی ترقی" کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "سلطان غوری نے اپنے خدام ومتوسلین کی تعلیم وتربیت میں فن جہانبانی اور سیاست میں پولیٹکل سائنس کا مضمون بھی شامل نصاب کر دیا تھا۔"[9]

جبکہ ہندوستان میں مسلمان حکمران کے فاتحانہ داخلے سے پہلے تعلیم کو حاصل کرنا صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا حق تھا۔ ہندو قوم ذات پات کے نظام میں تقسیم تھی۔ مذہبی علوم کا سیکھنا اور مقدس کتاب وید کا سننا صرف برہمن کا حق تھا۔ جبکہ

8۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، لاہور: ادارہ مطبوعات سلیمانی، ۱۹۷۶ء، ۶۱/۱۔

Abu al Qasim Frishtah, *Tāreekh e Frishtah*, Lahore: Matbū'āt e Sulemānī, 1976, 61/1

9۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں (وکیل بک ڈپو امرتسر، ۱۳۴۱ھ) ص: ۲۱۔

Abul Hasnāṭ Nadvi, *Hindustan ki Qadeem Islāmī Dars Gāhen*, Amritsar, Wakeel Book Depot, 1341AH, p.21

شودروں کیلئے تعلیم ممنوع تھی۔ اگر کوئی شودر مذہبی علوم سیکھنے اور وید مقدس کو سننے کی کوشش کرتا، تواس کو سخت سزادی جاتی تھی۔ جبکہ یہ اسلام کے تصور مساوات واخوت کا فیضان تھا کہ بادشاہ اپنے غلاموں کو بھی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بندوبست کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

نصاب تعلیم: نصاب تعلیم میں قران پاک کی تلاوت و تفسیر علم حدیث علم فقہ اور علم تصوف شامل تھے ادبی علوم میں سے عربی صرف و نحو کی تدریس لازمی تھی تاکہ عربی سے نابلد لوگ علوم دینی سے بہرہ مند ہو سکیں۔

قیام مدارس: غزنیوں کے دور میں اطراف ہند میں درس گاہیں نہ بن سکی تھی لیکن غوریوں کے زمانے میں اسلام کے اولین مدرسے اور دار لعلوم معرض وجود میں آئے چنانچہ مولاناعبدالسلام ندوی رقمطراز ہیں:

"اگرچہ ان غوری سلاطین کے قائم کیے ہوئے مدارس کی تاریخ کی بنیاد صحیح طور پر متعین نہیں کی جا سکتی۔تاہم یہ امر یقینی ہے کہ یہ ہندوستان کے قدیم ترین مدارس میں الغرض غوریوں کا زمانہ ان علمی ترقیوں کا پیش خیمہ تھا جو بعد میں سلاطین دہلی کے عہد میں سر زمین پاک و ہند کو نصیب ہوئیں۔"[10]

۳۔ قطب الدین ایبک:

محمد غوری کی حکومت کے بعد ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک بر صغیر پاک وہند کا بادشاہ بنا۔ آپ محمد غوری کے غلام تھے۔ وہ بر صغیر کا پہلا آزاد حکمران اور خاندان غلاماں کا بانی تھا۔ اسے بچپن میں ایک سوداگر نے ترکستان سے لاکر نیشاپور میں قاضی فخر الدین ابن عبدالعزیز کوفی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ قاضی صاحب نے اسے اپنے بچوں کی طرح پالااور اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔ اس طرح قطب الدین نے قرآن مجید حفظ کیا ور عربی وفارسی پر بھی عبور حاصل کیا۔ آخر کار محمد غوری نے اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے قاضی فخر الدین سے خرید لیا۔ محمد غوری نے اسے شاہ سواری اور تیر اندازی سکھانے کا بندوبست کیا۔ آخر کار اپنی قابلیت اور بہادری کی وجہ سے نائب سلطنت کے عہدے پر فائز ہوئے پھر محمد غوری کی وفات کے بعد پہلے آزاد مسلمان حکمران بن گئے۔ ایبک خود علم سے بہرہ ور تھااور علم وادب کی اشاعت کا متمنی۔ اہل علم حضرات کے ساتھ نہایت ادب و احترام کے ساتھ پیش آتااور فرائض سلطنت کے بعد اپنااکثر وقت عالموں کے ساتھ ہی

10۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ۱/۲۰۰۔

Abu al Qasim Frishtah, *Tāreekh e Frishtah*, 200/1

گزارتا تھا اس نے اپنی سلطنت کے عرض و بلد میں بہت سی مساجد تیار کروائیں جن میں اس زمانے کے دستور کے مطابق مذہبی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم کا بھی پورا پورا انتظام تھا۔ قطب الدین ایبک نے اجمیر میں مدرسہ تعمیر کروایا جو اڑہائی دن کا چھونپڑا کہلاتا ہے۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں چشتیہ و سہروردیہ سلسلوں کی خانقاہیں قائم ہونا شروع ہوگئیں۔ نیز اس کے نائب بختیار خلجی نے ملک کے مختلف حصوں میں مساجد' دانش گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کروائیں۔

۴۔ التمش:

خاندان غلاماں کا دوسرا مشہور بادشاہ شمس الدین التمش تھا۔ ان کا دور حکومت ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء تک ہے۔ وہ قطب الدین کا غلام تھا۔ اس نے اسے ایک شخص جمال الدین سے خریدا تھا۔ محمد غوری نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ التمش کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ کیونکہ یہ ایک دن اپنے آپ کو بام شہرت تک لے جائے گا۔ التمش آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا۔ منہاج السراج اس کے متعلق لکھتا ہے:

> "خالق عالم نے سلطنت اور حکومت کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے کسی بادشاہ کو اس قدر قابل اور پختہ مومن اور گوشہ نشینوں، درویشوں، زاہدوں اور عالموں سے اس قدر عزت سے پیش آنے والا نہیں بنایا۔"[11]

التمش عالم و فاضل شخصیات سے بہت محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے دربار میں بڑے بڑے عالم اور فاضل لوگ موجود رہتے تھے۔ اور اس کے علاوہ اس کے دربار میں روحانی اور دبیر خاص ملک تاج الدین مشہور شاعر تھے۔ اسی عہد میں نورالدین عرفی نے اپنی مشہور کتاب جامع الحکایات لکھ کر اس کا انتساب وزیر اعظم نظام الملک محمد بن ابی سعد جنیدی کے نام کیا۔

سلطان التمش نے خاص دار السلطنت میں متعدد مدارس تعمیر کروائے۔ دہلی کا مشہور مدرسہ معزیٰ بھی اس علم پرور بادشاہ کے حکومت کے یادگار ہے۔ فتوحات فیروز شاہی میں ہے۔ التمش کا مدرسہ برباد ہوچکا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ بنوایا اور اس کے دروازوں پر صندل کے کواڑ لگوائے۔[12]

11۔ منہاج السراج، طبقاتِ ناصری، لاہور، ادارہ مطبوعات سلیمانی، ص: ۶۶۲۔

Minhaj al Siraj, *Tabqāt Nāsrī*, Lahore: Idārah Matbū'āt e Sulemānī, p.662

12۔ سعید احمد رفیق، پروفیسر، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص: ۷۳۔

Saeed Ahmad Rafique, *Musalmāno kā Nizām e Tāleem*, p.73

التمش نے یہ مدرسہ غالباً شہاب الدین غوری کے نام پر تعمیر کروایا تھا۔ بدایوں کی جامع مسجد اور اس کے عقب کا مدرسہ معزیٰ بھی اسی بادشاہ کے زمانے کی یادگار ہے۔

دہلی مرکز علم: التمش کے عہد میں دہلی علم و فضل کا مرکز تھا۔ کیونکہ جس وقت ترکان غزنی اور منگولوں نے بغداد اور بخارا پر حملے کیے تو وہاں کے عالم و فاضل لوگوں نے برصغیر میں پناہ لی۔ان علماء کی بدولت ہندوستان میں علم کی روشنی پھیل گئی اور سارا ملک علم کی روشنی سے منور ہو گیا۔۔ چنانچہ منہاج السراج لکھتا ہے:

> "دہر کہ از حوادث بلاد عجم و نکیات مغل بفضل ایزدی خلاص یافت ملاذو ملجاہ مہرب و مامن حضرت جہان پناہ آن بادشاہ ایلتمش ساخت۔" [13]

سلطان شمس الدین التمش علماء و مشائخ کا قدر دان تھا۔ جب کسی بزرگ و عالم کی اپنے دیار میں آمد کی خبر سنتا تو میلوں تک اس کے استقبال کیلئے نکل جاتا اور نہایت احترام سے اسے محل شاہی میں مہمان رکھتا۔اس کی علم دوستی اور علماء پروری سے متاثر ہو کر سینکڑوں علماء، شعراء، ادبا اور صوفیاء مملکت ہند میں آ کر بسے۔[14]

۵۔ناصر الدین:

یہ نہایت درجہ کا متقی اور پرہیز گار تھا۔ بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ قرآن کریم اور عربی فارسی کی کتابیں نقل کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔ خود عالم ہونے کے علاوہ وہ علماء کا بڑا قدر دان تھا۔اس کے زمانے میں ایک مشہور مدرسہ ناصریہ تھا۔ جسے خود ناصر الدین نے ہی غالباً بنوایا تھا۔ طبقات ناصری کا مصنف منہاج السراج اس مدرسہ کا متہم اور نگران تھا۔اس زمانے میں جالندھر میں ایک کالج کا پتہ چلتا ہے۔[15]

۶۔سلطان بلبن:

ناصر الدین کے دور حکومت کے بعد سلطان بلبن خاندان غلاماں کا بادشاہ بنا۔ علم وادب کی ترقی کے لحاظ سے آپ کا دور سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ شہنشاہ بلبن علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ علماء سے محبت کا یہ حال تھا کہ اس

---

[13] ۔ منہاج السراج، طبقاتِ ناصری، ص:۱۶۶۔

Minhaj al Siraj, *Tabqāt Nāsrī*, p.166

[14] ۔ نظامی، خلیق احمد، حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی(دائرۃ المعارف اسلامی تہران،۱۹۲۵ء)ص:۱۴۔

Khaliq Ahmad Nizami, *Hayāt e Sheikh Abdul Haq Muhaddas Dehlavi*, Tehran: Dā'irah Al M'ārif Islami, 1925, p.14

[15] ۔ برنی، ضیاالدین، تاریخ فیروز شاہی، مرکز اسناد مجلس شوریٰ اسلامی، ص:۱۰۴۔

Minhaj al Siraj, *Tāreekh Feroz Shāhī*, Markaz Asnād Majlis Shūrā, p.104

وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک علماء کرام اس کے دستر خوان پر نہ ہوتے تھے۔ وہ اپنا زیادہ وقت علماء وفضلاء کے ساتھ مسائل کی تحقیق میں گزارتے تھے۔ ایک موقع پر شہزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ذی عقل، ذی فہم، ذی علم اور بہادروں کی تلاش میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا، ان سے ہمیشہ مہربانی اور احسان مندی کا سلوک کرنا، تاکہ وہ تمہارے مشوروں کی جان اور تمہاری طاقت کے ستون بن سکیں۔

بلبن کے زمانے میں برصغیر پاک وہند میں سینکڑوں صاحب کمال گزرے ہیں جن میں شیخ شکر گنج، شیخ بہاء الدین، شیخ بدرالدین، عارف غزنوی، قطب الدین بختیار کاکی اور سعید ملا بہت مشہور ہیں۔ یہ اصحاب علم وفضل کے علاوہ دہلی میں بہت مشہور اساتذہ تھے۔ جن کے وجود سے دہلی حقیقتاً شیراز و بغداد ہو رہی تھی۔ ان میں زیادہ تر مشہور شمس الدین قوشجی، برہان الدین بزار، نجم الدین زاہد اور برہان الدین بلخی ہیں۔[16]

علمی وادب مجالس کا قیام:

بلبن ہی کے دور میں دہلی میں علمی مجالس کا قیام ہوا۔ جس کا سہرا ان کے دو بیٹوں کے سر ہے۔ شہنشاہ بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ سلطان محمد شہید بڑا ہونہار، علم پرور علماء نواز تھا۔ اس کا دربار معاصر علماء اور فضلاء سے مامور تھا۔ اس کے مصاحبین شاہ نامہ، دیوان سنائی، دیوان خاقانی اور خمسہ ہائے شیخ نظامی پڑھ کر سناتے اور کلام کے معایب ومحاسن پر نقد و نظر ہوتی۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے مصاحب خاص تھے۔ امیر خسرو شہزادہ مذکور کے استاد تھے۔[17]

۷۔ جلال الدین خلجی:

ہندوستان میں جب خاندان غلاماں کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو جلال الدین خلجی نے حکومت ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ ان کے دور میں علوم وفنون نے خوب ترقی کی۔ جلال الدین خلجی علم پرور ہونے کے علاوہ خود ایک عالم اور شاعر تھا۔ وہ علماء سے علمی مسائل پر گفتگو کرتا۔ ان سے علمی طور پر مستفید ہوتا اور انہیں انعام واکرام سے مالا مال کرتا۔ جس کی وجہ سے اس کی شہرت برصغیر سے باہر غیر ممالک میں بھی پہنچ گئی اور اس کے دربار میں علماء کا ایک زبردست گروہ بن گیا۔ ان علماء میں علم کی ہر شاخ کے ماہر موجود تھے۔ منطقی، مورخ، شاعر، غرض علم کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس کی نمائندگی کوئی نہ کوئی عالم نہ کرتا ہو۔ امیر خسرو کا رتبہ ان سب سے بڑا تھا۔ اگرچہ امیر خسرو ان کے دربار کے مہر وماہ تھے تو تاج الدین عراقی، خواجہ

---

[16]- ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ۱/۲۱۸۔

Abu al Qasim Frishtah, *Tāreekh e Frishtah*, 218/1

[17]- ایضاً، ۱/۲۷۱۔

ibid, 271/1

حسن، سعین الدین منطقی، افتخار الدین اور قاضی مغیث ستارے جو امیر خسرو کی وجہ سے مشہور نہ ہو سکے۔ لیکن انہوں نے اس صدی میں علم وادب کی ایسی فضاء پیدا کر دی تھی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے تاریخ پھیلانے اور معیار تعلیم کو بلند کرنے میں زبردست حصہ لیا تھا۔[18]

۸۔ علاؤالدین خلجی:

مشہور مورخ ضیاءالدین برنی عہد علاؤالدین خلجی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ علاؤالدین خلجی کے عہد میں امن وامان قائم تھا۔ ان کے دور میں فوج اور بہترین اسلحے کی کثرت تھی۔ چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں بہت کم ہوتی تھی۔ سرکش اور مفسد لوگ کنڑول میں تھے۔ فن تعمیر عروج پر تھی۔ ان کے دور میں علماء اور شعراء کو باعزت مقام حاصل تھا۔ الغرض ہر فن کے ماہر اور ہر فن کے استاد اس دور میں موجود تھے۔ اسی لیے خلجی دور کو علوم وفنون کا دور زریں کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں دہلی کے متعلق فرشتہ رقمطراز ہے:

> "محلات، مساجد، مدارس حمام، قلعے، مقابر اور تمام ذاتی اور پبلک عمارات میں اہل علم حضرات کا ایک جگہ اس طرح جم غفیر جمع نہ ہوا تھا۔ مدارس میں 45 عالم جو علم وفن میں یکتائے زمانہ تھے۔ فلسفی، شعراء، صوفیاء، قانون دان، تاریخ دان، حکماء، سائنسدان، زبان دان اور قواعد دان غرض ہر علم اور ہر ہنر کے عالم اور فاضل دہلی میں جمع تھے جن میں سے بعض علاؤالدین کے درباری تھے اور باقاعدہ تنخواہ پاتے تھے۔ لیکن بہت سے اہل علم حضرات ایسے تھے جنہیں دربار سے کوئی خاص تعلق نہ تھا وہ ذاتی طور پر شمع علم وہدایت بنے ہوئے تھے۔"[19]

دہلی میں سب سے مشہور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء ان کے نمائندے تھے جو علم دین کی اشاعت کی خاطر بر صغیر پاک وہند کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ، امیر خسرو اور شیخ علاؤالدین زیادہ تر خود حضرت نظام الدین اولیاء کے ساتھ ہوتے تھے۔ شیخ سراج الدین عثمان بنگال میں تھے۔ شیخ وجیہہ الدین چندیری میں، مولانا یعقوب، غیاث الدین دھار میں، مولانا مغیث الدین اجین میں، شیخ حسین گجرات میں، شیخ برہان غریب، شیخ منتخب

---

[18]۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ا،۲۵۹۔

Abu al Qasim Frishtah, *Tāreekh e Frishtah*, 259/1

[19]۔ ایضاً، ا/۲۹۲۔

Ibid, 292/1

اور خواجہ حسن دکن میں غرض ان شیدان علم وادب نے اپنی زندگیاں اور تمام امنگیں اور خوشیاں مذہب اور علم کی اشاعت کے لئے وقف کردیں تھیں۔[20]

دہلی میں فروغِ تعلیم:

پروفیسر خلیق احمد نظامی عہد علاؤالدین خلجی کے چھیالیس علماء کی فہرست بیان کرنے کے بعد یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ اب سرزمین ہند کی علمی فضا اس قابل ہوگئی تھی کہ رازی اور غزالی کے پایہ کے عالم پیدا کرسکے۔ مورخ ضیاءالدین برنی نے دہلی کے تقریبا ۵۰ علماء کی فہرست پیش کی ہے فاضل مورخ کے نزدیک علماء بخارا سمرقند، بغداد، قاہرہ، دمشق، اصفہان یا تبریز کے فاضل ترین بزرگوں سے بھی علمی میدان میں سبقت لے گئے۔ چنانچہ برنی لکھتا ہے کہ دہلی میں ہر شعبہ کے علم کے قاری موجود تھے۔ مثلاً علم تفسیر، علم معنی وزبان، علم فقہ، اصول فقہ اور صرف ونحو وغیرہ۔ مورخ برنی نے اس دور کے طبیبوں اور انشاپردازوں وغیرہ کے اسماء گرامی بھی بیان کیے ہیں:

> "علاؤالدین کا جانشین مبارک شاہ خود شاعر اور علم ہنر کا قدردان تھا اس نے برسراقتدار آنے کے بعد اپنے پیش رو حکمرانوں کی ضبط کی ہوئی تمام جاگیریں اور زمینیں ان کے مالکان کو واپس کردیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں اس سے رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہاں مردہ تعلیمی اداروں میں بھی جان پڑ گئی۔"[21]

1۔خاندان تغلق:

خاندان تغلق کے پہلے بادشاہ غیاث الدین کے نظام حکومت سنبھالتے ہی شاہی دربار میں آفتاب علم وادب پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا امیر خسرو اب بھی دربار میں موجود تھے بادشاہ خود بھی زبردست عالم تھا اس نے بذات خود قرآن کریم کے مطابق ضرورت وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی، فوجی، اور مالی انتظامات کے لیے ایک مجموعہ قانون تیار کیا تھا اور تمام انفرادی جھگڑوں اور سیاسی معاملات کا فیصلہ اسی کے مطابق طے پاتا تھا۔[22]

---

[20]۔ برنی، ضیاءالدین، تاریخ فیروز شاہی، ص: ۳۴۱۔

Minhaj al Siraj, *Tāreekh Feroz Shāhī*, p.341

[21]۔ شہابی، انتظام اللہ، ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، کراچی، جناح لٹریری اکیڈمی، حصہ دوم، ص: ۱۷۱۔

Intezamullah Shahabi, *History of Freedom Movement*, Karachi: Jinnah Literary Academy, p.171

[22]۔ ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ۱/۴۰۲۔

Abu al Qasim Frishtah, *Tāreekh e Frishtah*, 402/1

بادشاہ غیاث الدین تغلق کے بعد محمد تغلق تخت نشین ہوا وہ ایک بہترین انشاءپرداز شاعر اور استعارہ و تشبیہات میں یکتائے روزگار تھا اسے ہزارہا فارسی اشعار زبانی یاد تھے خطوط میں جو عربی اور فارسی میں ہیں اس نے بہترین تشبیہات استعمال کی ہیں اور فارسی کا برمحل استعمال وہ علوم عقلیہ مثلاً فلسفہ، منطق، علم ہیئت، علم ہندسہ اور دیگر علوم مثلاً تاریخ اسلام، روایات اور علم طب کا زبردست ماہر تھا اس کی فیاضی اور علم نوازی کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مشہور مورخ ابن بطوطہ محمد تغلق کی سخاوت کے حالات سن کر پاک وہند آیا۔ سلطان محمد تغلق کے عہد کے بارے میں مورخ آسامی لکھتا ہے کہ حضرت دہلی رشک بخارا و بغداد بن گیا۔ اس دور کے متعلق مصر کا مورخ مقریزی لکھتا ہے:

> "سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک ہزار اسلامی مدارس قائم کئے گئے تھے جن میں ایک مدرسہ شوافع کا بھی تھا مدرسین کیلئے شاہی خزانہ سے وظیفہ مقرر تھا مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ ریاضی اور معقولات کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔"[23]

مدرسوں اور علماء کی سرپرستی مسلمان حکمرانوں کی جانب سے حکومت اسلامیہ کے آخری زمانہ تک بدستور جاری رہیں دہلی کی مرکزی حکومت کمزور پڑ جانے کے بعد صرف اضلاع روحیل کھنڈ میں جو دہلی کے قریب تر تھے پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے۔[24]

۲۔ فیروز خان تغلق:

فیروز تغلق کو نئی عمارات بنانے کا بڑا شوق تھا اس نے سب سے زیادہ توجہ مدرسوں پر دی۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق اس نے برصغیر پاک وہند کے مختلف مقامات پر ۳۰ مدارس قائم کیے اور عبدالباقی ان کی تعداد ۵۰ بتاتا ہے مدارس کے علاوہ بادشاہ نے ۴۰ مساجد بھی تعمیر کروائیں فیروز شاہ نے دہلی کے قریب وجوار میں مدرسے قائم کیے تھے ماہ صفر ۱۳۷۴ء میں سلطان نے اپنے بیٹے شہزادہ فتح خان کی وفات پر اس کے مقبرہ کے ساتھ بطور کار ثواب ایک مدرسہ قائم کیا۔ اسکے علاوہ اس نے علاؤالدین خلجی کے بنائے ہوئے حوض خاص میں ایک مدرسہ قائم کیا اور مختلف مقامات سے علماء کو بلا کر انہیں اس مدرسہ میں مدرسین مقرر کیا لیکن دہلی کا سب سے مشہور اور اپنے عہد کا مشہور مدرسہ فیروز شاہی تھا فیروز شاہ نے یہ مدرسہ فیروز آباد دہلی میں ۱۳۵۲ء میں قائم کیا تھا مورخ برنی لکھتا ہے:

23۔ مقریزی، کتاب الخطط والآثار، مکتبہ بکس سٹریم، ۱/۱۲۴۔

Maqrezi, *Kitāa al Khutat wa al Āsār*, Book Stream, 124/1

24۔ بریلوی سید الطاف حسین، حیاتِ حافظ رحمت خان، ص: ۲۷۴۔

Syed Altaf Hussain Brelvi, *Hayāt e Hafiz Rahmat Khan*, p.274

"یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام اور تعلیم دینے کے لحاظ سے تمام مدارس ہند میں سب سے بہتر اور عمدہ تھا۔اس کے مصارف کے لیے شاہی وظائف مقرر تھے۔"[25]

فیروز تغلق نے علم کی اشاعت کیلئے انقلابی اقدامات کیے۔ انہوں نے اپنی رعایا کے ہر فرد کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کیلئے ملک کے کونے کونے میں علماء کرام کو بھیجا۔اس انقلابی قدم کے ذریعے ملک کے ہر گوشے میں چشمہ علم وادب جاری ہو گیااور ہر خاص وعام شخص کیلئے علم کا حصول آسان ہو گیا۔ فیروز شاہ کے عہد میں فقہ کی تدوین پر بہت توجہ دی گئی۔ برصغیر پاک وہند میں فقہ کی قدیم کتابوں میں فقہ فیروز شاہی مشہور ہے۔اس کے علاوہ فیروز شاہ کے ایک امیر تاتار خان نے ایک مولاناعالم فتاوی کاایک مجموعہ تیار کرایاجو فتاوی تاتار خان کے نام سے مشہور ہے۔اس کے زمانے میں بہت سی سنسکرت کتابوں کافارسی میں ترجمہ ہوا۔

سلاطین دہلی کی عمومی خدمات:

خاندان غلاماں کے بادشاہوں نے علم وادب سے انتہائی محبت کا ثبوت اس طرح دیا کہ ان کے عہد میں علم وادب نے خوب ترقی کی اور تعلیمی ترقی کا شاندار منظر سامنے آیا۔ سلاطین کے دور میں تمام تعلیمی ادارے نہایت سرعت سے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے کمال کو جاپہنچے اور خلجی حکمرانوں کے زمانہ میں دہلی عالم اسلام کا سب سے بڑامرکز بن گیا۔ پروفیسر سعیداختر بحوالہ ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

"ان دنوں ہندوستان علم وفنون کاسب سے بڑامرکزاور کم وبیش تمام وسط ایشیاکے شائقین علم تحصیل علم کی خاطر یہاں آیاکرتے تھے۔"[26]

اور خلیق نظامی کے الفاظ میں:

"بخارااو سمرقند کے علماء کی تصانیف اسی وقت مانی جاتیں۔جب ہندوستان بالخصوص دہلی کے علماء ان پر تصدیق کردیتے۔"[27]

---

[25] ۔ ضیاءالدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص: ۵۶۲۔

Minhaj al Siraj, *Tāreekh Feroz Shāhī*, p.562

[26] ۔ سعید اختر، پروفیسر، ہمارا نظامِ تعلیم (البدر پبلیکیشنز لاہور) ص۷۹۔

Prof. Saeed Akhtar, *Hamārā Nizām e Tāleem*, Lahore, Al-Badar Publications, p.79

[27] ۔ زبیری، محمد حسین، مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع دوم ۱۹۸۹ء، ص: ۲۳۔

نتیجہ بحث:

ہندوستان میں تعلیمی ارتقاء پر یہ تحقیق ایک جامع تناظر پیش کرتی ہے جس میں تاریخی بصیرت کو عصری تجزیوں کے ساتھ ملا کر ملک کے تعلیمی نظام کے کثیر جہتی سفر کو روشن کیا جاتا ہے۔ یہ نتائج ہندوستان میں تعلیم کے ڈھانچے اور کردار پر تاریخی ورثہ کے پائیدار اثرات، خاص طور پر نوآبادیاتی اثرات کو واضح کرتی ہیں۔ یہ مطالعہ بعض تعلیمی روایات کی لچک کو تسلیم کرتا ہے جبکہ ان اہم موڑ کی نشاندہی کرتا ہے جہاں اہم تبدیلیاں اور اصلاحات واقع ہوئی ہیں۔

عصری چیلنجز، رسائی اور معیار کے مسائل سے لے کر ٹیکنالوجی کے انضمام تک، پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو کھیل میں پیچیدہ حرکیات کی ایک باریک تفہیم پیش کرتے ہیں۔ حالیہ پالیسیوں کا جائزہ پالیسی سازوں کے لیے قابل عمل بصیرت فراہم کرتا ہے، بہتری اور اختراع کے شعبوں پر زور دیتا ہے۔

Muhammad Hussain Zubairi, *Muqaddamah Tāreekh e Tāleem w Tarbiyat*, Lahore, Saqafat Islamiah, 2nd ed. 1989, p.23